شریعت نے اس کا فیصلہ خود مومن کے اپنے زندہ اور صاحب بصیرت ضمیر پر چھوڑا ہے۔ اور (اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ) کا گرامی ارشاد اسی قسم کے مواقع کے لیے ہے۔

سادہ زندگی کی اہمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں بیان فرماتے ہیں:

اَلاَ تَسْمَعُوْنَ - اَلاَ تَسْمَعُوْنَ - اِنَّ الْبَذَاذَۃَ مِنَ الْاِیْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَۃَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (عن ابی امامۃؓ - مشکوٰۃ - کتاب اللباس)

ترجمہ: اے لوگو! کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کیا تم سنتے نہیں ہو۔ بلاشبہ سادگی ایمان کی نشانی ہے۔ بلاشبہ سادگی ایمان کی نشانی ہے۔

محدثین کرام کے نزدیک بذاذۃ سے مراد ایسی زندگی ہے جس میں تکلف اور تصنع کی آمیزش نہ ہو۔ خوش پوشی اور زینت پسندی سے اسلام روکتا نہیں ہے۔ لیکن اگر یہی ذوق حد سے تجاوز کر جائے تو انسان اسراف اور فخر و نمائش میں اپنی ساری دولت صرف کر دیتا ہے۔ اس بنا پر اسلام تنعم اور رہبانیت کے درمیان ایک متوسط راہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

اسی موضوع پر اور احادیث ملاحظہ کیجیے۔

مَا اسْتَکْبَرَ مَنْ اَکَلَ خَادِمُہٗ مَعَہٗ، وَرَکِبَ الْحِمَارَ بِالْاَسْوَاقِ وَحَلَبَ الشَّاۃَ (عن ابی ھریرۃ الادب المفرد)

ترجمہ: سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا شخص کبر و غرور سے پاک ہے جو اپنے خادم کے ساتھ شریک طعام ہوتا ہے۔ بازار میں گدھے کی سواری بھی کر لیتا ہے اور اپنی بکری کو بھی دودھ لیتا ہے۔

آج ہم میں کتنے لوگ ہیں جو ان ارشادات گرامی کی تعمیل خوش دلی اور رخندہ پیشانی سے سامنے کرتے ہیں۔ جب ہم سفراء و امراء کے ساتھ شریک طعام ہوں تو اپنے خادم کے ساتھ بھی شریک طعام ہونا چاہیے۔ جب خود نمائی کے طور پر طمطراق کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوں تو بازار میں گدھے پر بھی سوار ہونا چاہیے۔ اسی طرح بکری کا دودھ دوہتے

یں بھی ہمیں ذلت محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

یہ سب سیدھی سادی زندگی کی خصوصیات ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی مشاغل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔

كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَخْصِفُ نَعْلَهُ، يَخِيطُ وَيَغْلِي ثَوْبَهُ يَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ۔ (ترمذی)

ترجمہ:۔ آپ انسان تھے، اپنے جوتے کی مرمت فرما لیتے، اپنے کپڑے بھی سی لیتے۔ اُن میں سے جوئیں بھی نکال لیتے۔ اپنی بکری بھی دوہتے اور تمام کام خود کرتے تھے۔

امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے اپنے عمّال کو لکھا تھا۔

لَا تُطِيلُوا بِنَاءَكُمْ فَإِنَّهُ مِنْ شَرِّ أَيَّامِكُمْ

(الادب المفرد)

ترجمہ: طول طویل اور بلند و بالا عمارتیں نہ بناؤ، کیونکہ یہ طرزِ عمل بدترین زمانہ کی نشانی ہے۔

یعنی دولت و ثروت کی نمائش شاندار اونچی عمارتوں کی صورت میں کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اُمّت کی دُنیا پرستی کا دور ہوگا۔ آخرت پرستی کا رجحان مرچکا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُمت کی اِسی دینی پستی کو روکنے کے لیے بند باندھا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اس بند کو ہم نے مستحکم رکھا یا شکستہ کر دیا۔

میانہ روی یعنی درمیانی چال کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یہ ہے:

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ۔

ترجمہ: وہ کنگال نہیں ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔

گُل فشانیٔ گفتار کے اس انداز پر ہزاروں انداز قربان ہیں۔ دیکھیے کس قدر خوب صورت مانوس اور عام فہم الفاظ ہیں۔ جملہ کیا ہے گویا سلکِ لآلی ہے۔ سہ لفظی جملہ میں دو فعل ہیں

ایک فاعل ہے - دونوں فعل لازم ہیں - افعال محیط ہیں فاعل محاط ہے - الفاظ قلیل ہیں اور معانی کثیر - اس لحاظ سے یہ مختصر جملہ " ایجاز قصر" کا حامل ہے - ایجاز قصر علمائے بدیع کے نزدیک تزئین کلام اور زیور کلام ہے - اس سے عروسِ کلام میں چار چاند لگ جاتے ہیں -

حدیثِ گرامی میں جو بات بیان کی جا رہی ہے اس میں شک وشبہ کی رمق بھی نہیں - اس میں سرتاسر یقین ہی یقین، حقیقت ہی حقیقت اور مغز ہی مغز ہے - یہ حدیثِ گرامی کی مختصر نحوی اور ادبی خوبیاں ہیں، جو بقدرِ ادراک وفہم بیان کی گئیں -

الغرض شریعت نے تنعّم (عیش پسندی) ہی کے معاملہ میں نہیں زندگی کے ہر معاملہ میں افراط وتفریط کے بجائے اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے -

ادبی محاسن اب زیرِ بحث حدیثِ پاک کے زبان وبیان کے محاسن پر غور کیجیے -

کَیْفَ اَنْعَمُ میں کیونکر عیش پسند زندگی گذاروں یعنی ہرگز نہیں گذاروں گا - استفہام اقراری انکاری بھی بیان کی خوبی اور اس کا نرالا انداز ہیں - اس فعل میں اقرار سے انکار نمایاں ہے یہ بھی زبان وبیان کی خوبی ہے -

دوسری خوبی اس فعل میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات تو اپنے لیے فرما رہے ہیں مگر اس میں مخاطب کے لیے خصوصی ہدایت ہے - یعنی متکلم مخاطب تو خود سے ہے مگر غائب اور ہی ہیں - یہ بھی ایک اندازِ بیان ہے اور بجائے خود حسن ہے - احادیث اور قرآنِ کریم میں بیشتر مقامات پر یہ خوبی نمایاں ہے -

پھر یہ فعل محاکات سے بھرا ہوا ہے - مجموعۂ تصاویر بلکہ دستر تصاویر ہے، اسے پڑھتے ہی حیاتِ طیبہ کے دل سوز اور جانگداز واقعات تصویر بن کر سامنے آجاتے ہیں - ہم ان واقعات کا مکمل احاطہ نہیں کرسکتے - ان کی مکمل تفصیل تو خود قرآنِ کریم ہی نے اس طرح کر دی ہے -

وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ (البلد ۲)

ترجمہ:- اور حال یہ ہے کہ (اے ہمارے رسول) اس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا ہے -

یعنی ہر ایک کو یہاں امن میسر ہے، حقیر وناچیز کیڑوں مکوڑوں، مچھروں اور بھنگوں تک کو بھی امن حاصل ہے، مگر اے نبیؐ! تمہیں یہاں کوئی امن نصیب نہیں - تمہیں ستانا اور

تمہارے قتل کی تدبیریں کرنا حلال کر لیا گیا ہے۔
غرض یہ فعل درد و کرب اور غم و اندوہ کی جانکاہ تصویروں کا آئینہ دار ہے اور اپنے اندر محاکاتی حُسن و جمال رکھتا ہے۔ محاکاۃ خود منجملہ محاسنِ کلام ہے۔ صَاحِبُ الصُّوْر۔ یہ کنایہ کیسا لطف دے رہا ہے۔ کنایہ بھی کلام کی تحسین و تزئین کا سبب ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر کنایات استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً (لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ) میں (صَاحِبُ الْحُوْت) کا کنایہ حضرت یونس علیہ السلام کی طرف ہے۔ (قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ) میں (قُرَّةُ عَيْنٍ) کا چشم فروز کنایہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ جو ابھی قصرِ فرعون میں طفلِ شیر نوش ہیں۔ اور (وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ) میں بعض مفسرین کرام کے نزدیک نجدین کا کنایہ پستانِ مادر کی طرف ہے۔ اسی طرح صاحب الصُّور کا کنایہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرف ہے۔

قَدِ الْتَقَمَهٗ:۔ صُور تو پہلے ہی منہ میں لیے ہوئے ہیں۔ افعال سے پہلے قَدْ کا لفظ مختلف معنی دیتا ہے۔ مثلاً قَدْ قَامَ زَيْدٌ کے معنی ہیں زید پہلے سے کھڑا ہوا ہے یا ابھی ابھی کھڑا ہوا ہے۔ قَدْ يَصْدُقُ الْكَذُوْبُ کے معنی ہیں جھوٹا کبھی سچ بات بھی کہہ دیتا ہے یا شاذ و نادر ہی سچ بولتا ہے۔ قَدْ يَقْدُمُ الْغَائِبُ میں اُمید ظاہر کرتا ہے۔ کبھی قد کا لفظ کامل تیقّن کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا اور قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ ...... وغیرہ۔ حدیثِ گرامی میں استعمال ہونے والا یہ فعل آیۂ کریمہ (فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ) کی یاد دلاتا ہے۔ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی مذکرا اور مفسر ہے۔ حدیث ہی قرآن کریم کی یاد نہیں دلائے گی تو کونسی شے اس کی یاد دلائے گی۔ سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ گلفشانیٔ گفتار بدرجۂ غایت قرآن مجید کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ حُسن سے عشق آخر کیوں کر جُدا ہو سکتا ہے۔ احادیث میں استعمال ہونے والے بیشتر مصادر و ماخذ اور افعال و مشتقات قرآنی ہیں۔ زیرِ بحث حدیثِ پاک خود اس کی دلیل روشن ہے۔

اَصْغٰى:۔ اس کا مادہ (صغا) ہے جس کے معنی ہیں ہمہ تن گوش بہ آواز ہونا کسی

بات کو سننے کے لیے پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ کان لگانا۔ یہ فعل بارگاہِ الٰہی کی جلالتِ شان کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اور مقتدرِ اعلیٰ کے سامنے اس عظیم فرشتے کے اندازِ قیام اور طرزِ آداب کو بھی بتاتا ہے۔ اَلْتَقَمَ کی طرح یہ فعل بھی قرآنِ کریم میں استعمال ہوا ہے جیسے (وَلِتَصْغٰی اِلَیْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الانعام)

وَحَنٰی جَبْهَتَهٗ: پیشانی کو جھکائے ہوئے۔ یہ فعل بھی قرآنی ہے اور اس سے بھی شرمساری و انکساری اور عجز و نیاز کی ادا ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اسرافیل علیہ السلام جو سرخیلِ ملائکہ ہیں بارگاہِ کبر و جلال میں سرِ نیاز جھکائے کھڑے ہیں اور (یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ) کی تفسیر بنے ہوئے ہیں۔ جَبْهَةٌ اور جَبِیْنٌ دونوں کے معنی پیشانی کے ہیں اور دونوں اسماء قرآنی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ اور وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ۔

بِالنَّفْخِ: یہ مرکب ہماری آیت کریمہ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ صُور سے متعلق اس آیتِ مبارکہ کو سن کر بھی ہم خوابِ غفلت سے نہیں چونکتے۔ مخمور، سرشار اور وارفتہ ہی رہتے ہیں جیسے ساغرِ بلور پیے ہوئے ہوں۔ اے کاش! تصورِ عقبیٰ ہمیں اس خوابِ گراں سے جگا دے اور ہم اپنے حسنِ انجام کی کچھ فکر کریں۔

ادبی و نحوی زاویۂ نگاہ	وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهٗ وَاَصْغٰی سَمْعَهٗ وَحَنٰی جَبْهَتَهٗ۔

حدیثِ گرامی کے اِن تینوں جملوں میں سارا ادبی حسن و جمال اور ساری ادبیت سمائی ہوئی ہے۔ ہر جملہ میں تصویر کشی کا وصف موجود ہے اور تینوں جملے مِل کر ایک زندہ، متحرک اور جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں۔ آخری جملہ جو تصویر پیش کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویر ذوقِ بندگی نے پیش کی ہے۔ کلام کا یہ کمال "محاکاۃ" کہلاتا ہے جو بجائے خود زلیہ کلام ہے۔

نحوی زاویۂ نگاہ سے یہ تینوں جملے "حال" ہیں اور صاحبُ الصُّور مرکب اضافی ... [illegible] ہے۔

یوں سمجھیے کہ مشروب ایک ہی ہے مگر پیالے جدا جدا ہیں۔ ایک پیمانے میں یہ "محاکاۃ" ہے اور دوسرے میں "حال و ذوالحال"۔

پھر یہ کلام بلیغ بھی ہے۔ تینوں جملوں میں بلاغت بھری ہوئی ہے۔ موقع و محل جس تصویر کا تقاضا کرتا ہے اُسی انداز کی تصویر ہے۔ یہ لفظی تصویر بغیر سوچے سمجھے اُوٹ پٹانگ طریقہ پر نہیں کھینچ دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پورا پورا غور و خوض اور پوری پوری ذہنی و دماغی کاوش فرمائی ہے۔ موزوں اور مانوس الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ قرآنی افعال و مشتقات جمع کیے گئے ہیں۔ اور پھر حسین بندش اور دل آویز ترکیب کے ذریعے جملے بنائے گئے ہیں۔ اس ذہنی کاوش اور دماغی عرق ریزی کے بعد یہ تصویر بنی ہے۔ پیکر تصویر کا پیرہن کیسا ہونا چاہیے۔ اُسے خدائے ذوالجلال کے سامنے کن آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اس کا اندازِ قیام کیسا ہو، سماعتِ احکامِ الٰہی کا طریقہ اور ان کی طرف توجہ کی نوعیت کیا ہو، عجز و نیاز کی ادا کیسی ہو، بندگی و عبدیت کا سلیقہ کیا ہو، تصویر میں یہ چیزیں نمایاں ہیں۔ اس طرح اس لفظی تصویر کو موقع و محل کے ساتھ کامل تطابق حاصل ہے۔ اور اسے دیکھ کر ذوقِ سلیم پکار اُٹھتا ہے کہ مصورِ حقیقی کے سامنے تصویر کا یہی انداز ہونا ہونا چاہیے۔ بلاغت اسی سے عبارت ہے۔ اسی کو گفتار کی گلفشانی کہتے ہیں اور یہ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی و انفرادی حصہ ہے۔

رسائل و مسائل

المسئلۃ الشرقیہ

سوال: - کچھ عرصہ پہلے سید انیس شاہ جیلانی کا لکھا ہوا خاکہ "نیاز فتح پوری" پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے نیاز فتح پوری سے حضرت مولانا مودودیؒ کی ناراضگی کی وجہ یہ لکھی تھی کہ فتح پوری نے مولانا مرحوم کی کوئی کتاب اپنے نام سے شائع کرا دی تھی۔

اب "تذکرۂ علمائے پنجاب" مصنف اختر راہی کا مطالعہ کیا تو مولانا مرحوم کے ذکر میں لکھا ہوا پڑھا کہ مولانا مودودیؒ نے "مسئلہ شرقیہ" کا ترجمہ کیا تھا، یہ مصطفیٰ کمال پاشا مصری کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جو منڈی بہاؤ الدین سے نیاز فتح پوری کے نام سے شائع ہوئی۔

میری طبیعت میں تجسس بڑھا ہے اور ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچوں۔ "مسئلہ شرقیہ" اٹھا کر دیکھتا رہا لیکن کوئی فیصلہ نہ کر سکا طرزِ تحریر اور اسلوبِ نگارش سے۔ اب آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ آپ ہی کوئی فیصلہ کر دیجیے۔

جواب: - آپ اس خلجان میں پڑنے کے بجائے کاش کہ فتح پوری صاحب کے کردار، نشو و نما اور ان کے شعار و اطوار کو باریکی سے سمجھتے۔ پھر آپ کو مشکل پیش نہ آتی۔ ایک بہت بڑی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس کی تفصیلات کراچی کے ادبی پرچوں میں آ چکی ہیں۔ موصوف نے خدا نمبر ایک صاحب سے مرتب کرایا اور پھر اُن کے حق حقوق تو کیا ان کا نام